

الصوم

(ارجناب مولانا سید محمد جعفر صاحب پھلواروی)

یہ پوری کائنات ایک باقاعدہ اور منظم سلطنت ہے۔ آپ کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے مگر واقعہ یوں ہی ہے کہ یہ پورا کائنات عالم ایک مربوط سلسلہ ہے۔ اس کی مربوطیت اور باقاعدگی خود بتاتی ہے کہ اس پورے نظام سلطنت کو ایک ہی فرمانروا بغیر کسی مدد کے چلا رہا ہے اور انسان کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ اسی مالک ملک کی ایک ادنیٰ رعیت ہے اور اس کی خیر اسی میں ہے کہ وہ اس احکم الحاکمین کی وفادار و فرمانبردار علیا بن کر رہے۔ اسلامی نظام زندگی کا بنیادی تصویر یہی ہے اور انسانوں سے اس کا مطالبہ یہی ہے کہ وہ اللہ کے مومن و مسلم (وفادار و فرمانبردار) بن کر رہیں۔

یہ مطالبہ بالکل صحیح اور حق بجانب ہے۔ انسان نے اپنے آپ کو خود نہیں بنایا ہے اور اس لیے یقیناً وہ اپنی اُن قوتوں کا بھی خود خالق نہیں جو اس کے اندر پائی جاتی ہیں۔ پس یہ قوتیں جہاں سے آئی ہیں وہی اُن کا خالق اور مالک ہے اور انسان اُن کا فقط امانت دار ہے، اور امانت دار کا فرض یہ ہے کہ وہ امانت کو اس کے مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرے، ورنہ وہ امانت نہیں ہوتا خائن قرار پاتا ہے اور جس نوع کی خیانت ہوتی ہو اسی نوع کی سزا بھی دی جاتی ہے، اور جس درجہ کی امانت داری ہو ویسا ہی انعام ملتا ہے۔

اپنی ہر قوت کے استعمال میں انسان ایک ہی نعمت میں مجبور بھی ہے اور قادر بھی، مقید بھی ہے آزاد

بھی۔

وہ آنکھ سے دیکھنے ہی پر مجبور ہے، کانوں سے سول نہیں سکتا، ناک سے سننے پر قادر نہیں، ہاتھوں میں ذائقہ لانے سے عاجز ہے، زبان سے ویڈو شنید محال ہے۔ وہ مجبور ہے کہ چاروں اچار اپنی ہر قوت سے وہی کام لے جس کے لیے ماضی قدرت نے اُسے وضع کیا ہے یعنی لامسہ سے چھوئے، ذائقہ سے چکھے، مس

سے سُننے دھنا نہ جیٹا۔ نرس اس کی ہر قوت مجبور ہے کہ اسی قانون پر چلے جو انسان سے مشورہ کیے بغیر اور ان قوتوں سے ووٹ لیے بغیر مقنن فطرت نے بنا دیا ہے۔

اسی طرح انسان اس پر بھی مجبور ہے کہ اپنے پھیپھڑے سے کام لیتا رہے اور تائفس کا سلسلہ لاتنا ہی لگتا قائم رکھے، معدہ خالی ہو تو کھانا کھائے، حل خشک ہو تو پانی پیے، دلوں قباب سے مغلوب ہو تو وسائلِ نسلیہ کی جستجو کرے۔

آپ نے دیکھا انسان سر سے پاؤں تک کتنا مجبور، کیسا بے بس اور کس قدر بے اختیار واقع ہوا ہے؟ ان مجبوریوں میں ایک بھی تو ایسی نہیں جس کا مقابلہ کر کے انسان اپنی ہستی کو باقی رکھ سکے، ایک قانون بھی تو ان قوانین میں کوئی وفطرت میں ایسا نہیں جسے توڑ کر انسان بقا و وجود کا لفظ بھی زبان پر لاسکے۔ لیکن اسی انسان کی جامع ارض و آسمان ملاحظہ ہو۔ ایک طرف تو یہ بے بسی و بے اختیاری اور یہ عاجزی و مجبوری ہے اور دوسری طرف اختیارات کا سمندر اس کے گوزے میں سمویا ہوا ہے، قدرتوں کی لامحدود دنیا اس کی مٹھی میں ہے اور اس کی خود مختاری کا طول و عرض ناقابلِ پیمائش ہے۔ بے بسی یہ ہے کہ وہ آنکھوں سے صرف بصریات کا کام لے سکتا ہے ان سے چمک نہیں سکتا، سونگہ نہیں سکتا، بول نہیں سکتا، سُن نہیں سکتا، کیسی کیسی اور کس درجہ عجیبی ہے لیکن ساتھ ہی اس کی ہمہ گیری و وسعت کو دیکھو کہ پوری کائنات ذرا سی مردک (مٹی) میں سمائی ہوئی ہے۔ اختیارات کی لامحدودیت ملاحظہ ہو، وہ جو کچھ چاہے دیکھ سکتا ہے، جب چاہے دیکھ سکتا ہے، جتنی بار چاہے دیکھ سکتا ہے، جتنی دور چاہے دیکھ سکتا ہے۔ اور آج اسکی قوتِ بصرہ کی اختیاری ہوت کو تم دیکھ رہے ہو کہ کئی ماہ کو ۱۱ لاکھ میل سے کھینچ کر صرف ۵ میل پر لے آئی ہے۔ اس چھوٹی سی مردک میں قدرت و اختیار کی کتنی وسیع دنیا سموی ہوئی ہے کہ وہ جس شے کو چاہے دیکھے۔ اسے اختیار ہے کہ وہ درقِ قرآن کو دیکھے یا اس پر عمل کرے کہ ۵

برصغیر روئے او نظر کن خسرو غزل و کتاب تاکئے؛

وہ چاہے تو پوری کائنات کو دیدہ اعتبار سے دیکھے اور چاہے تو اپنا سارا وقت تصاویرِ عریاں کا اہم دیکھنے میں صرف کر دے

آزادی و اختیار کو بھی خدا ہی کے قانون ہدایت کے مطابق کر دینا آنکھوں کی خدا بندگی و غلامی ہے یعنی آنکھوں سے صرف وہ دیکھا جائے جس کے دیکھنے کا آنکھیں بخشے والا اور اوڑھو اور وہاں سے نظر ہٹالی جائے جہاں نظر چاہنا اس مالک کی مرضی کے خلاف ہو۔ کانوں سے ہی سنا جائے جس کے سننے کی اجازت مالک نے دی ہو، زبان سے وہی چکھایا بولا جائے جس کے چکھنے یا بولنے کے لیے مولا کے حکم میں کوئی گنجائش موجود ہو، غرض اپنی ساری قوتوں کو اس آقا کے یکتا کی مرضی کے مطابق بنالیا جائے حتیٰ کہ دل اور دماغ سے صرف وہی باتیں سوچی جائیں جن کے لیے مالک کا قانون کوئی روک نہ پیدا کرتا ہو۔ اپنے کھانے کو اسی کے حکم کا تابع کر دے، اپنے شرب کو اسی کے قانون کا مطیع کر دے اور اپنے حیوانی عنصر کی تسکین کو اسی کی ہدایت کے ماتحت رکھے۔ صوم اسی حقیقت کا بلکہ اس حقیقت کی مشق کا دوسرا نام ہے۔

صوم کا مقصد صرف "مفطرات ثلاث" (کھانا، پینا اور قربت زوج) کے باب میں ہی اطاعت قانون کرنا نہیں بلکہ زندگی کے تمام مسائل میں قانون الہی کی اطاعت۔ اطاعت کی روح۔ پیدا کرنے کی مشق کرنا ہے۔ مفطرات ثلاث تو دراصل شہوات نفس یعنی دلی خواہشوں کے تین اہم شعبے ہیں۔ ایسے اہم شعبے کہ ان ہی کی خاطر انسان وہ سب کچھ کر گذرتا ہے جو اسے نہ کرنا چاہیے۔ ان تین پر قابو پانے کے معنی اس مرکزی نقطے اور اس اصل جامع کو قابو میں لانے کے ہیں جس سے یہ تین اہم شاخیں پھوٹتی ہیں، اور جن کی معاونت میں سرکشی و بغاوت کے تمام شعوب خود بخود سر یک ہو جاتے ہیں۔ چور اپنی چوری کو، ڈاکو اپنے ڈاکے کو، رشوت خوار اپنی رشوت کو، خائن اپنی خیانت کو اور ظالم اپنے ظلم کو یقیناً تو نہیں سمجھتے، لیکن اپنے اپنے کام سب کیے جاتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ شکم سے مجبور بلکہ شکم کے غلام ہیں۔ قوم طاوت نے باوجود نہی پیغمبری کے ہر مبتلا بہ کا پانی پی لیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ پیاس نے نافرمانی پر مجبور کر دیا۔ ہارون نے

(اگر روایت کی نوعیت صحیح تسلیم کر لی جائے) چاہے بابل میں معکوس معلق ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ اپنے حیوانی عنصر پر قابو نہ پاسکے۔ اسی جذبہ حیوانی کی تسکین کی خاطر بھائی نے بھائی کو، باپ نے بیٹے کو، عاشق نے رقیب کو اور فرمانرواؤں نے فرمانرواؤں کو تر تہ تیغ کیا۔ خوب غور سے دیکھ جاؤ دنیا میں تمام فسادات محی تہہ میں یہی تین چیزیں کا فرمانظر آئیں گی اور ان تینوں کا مرکز صرف ایک ہی یعنی خواہش نفس کی الوہیت فرمانروائی اور انسان کا اس کی بندگی اختیار کر لینا اذیت من

واسطہ نہ ہو اس وفاداری کا کوئی یقین نہیں ہو سکتا اور قانون کی اطاعت کسی ایسی ہستی کی مدد کے بغیر نہیں کرائی جاسکتی جو انسانی کمزوریوں سے پاک نہ تسلیم کی جاتی ہو۔

اگر طول بے محل کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم بتاتے کہ اس صحیح واسطہ کا طریق استعمال کتنا غلط رکھ لیا ہے جس کے نتیجے میں یہ واسطہ فقدان واسطہ سے زیادہ مفتر ثابت ہوا ہے۔ بہر کیف یہ مسلم ہے کہ اطاعت قانون کے لیے خود مقنن کے ساتھ خوف و امید کا غیر فانی تعلق ضروری ہے۔ لیکن یہ عجیب بے جوڑ اور لاعینی منطق ہے کہ قانون ہو انسان کا اور خوف ورجا ہو اللہ سے۔ یہ بالکل ایسا ہی جیسے قانون ہو خدا کا اور خوف ورجا کا تعلق ہو انسان سے۔ خدا جس چیز کا مطالبہ اپنے بندوں سے کرتا ہے وہ یہ ہے کہ میرے ہی قانون کی اطاعت کرو اور مجھ ہی سے خوف و امید رکھ کر۔

قانون خواہ الہی ہو یا انسانی، ظاہر میں دونوں ہی قانون ہیں اور دونوں ہی ممکن العینان ہیں۔ جو بندوں کے قانون کو توڑ سکتا ہے وہ خدا کے قانون سے بھی بغاوت کر سکتا ہے۔ قانونی بناوٹ نافرمانی سے روکنے والی چیز خود قانون نہیں بلکہ قانون کی روح ہے جو ہر لحظہ انسان کی روح میں ساری و جاری اور اس کے قلب و باغ پر قابض و مسلط ہو یہی وہ کیفیت ہے جسے مجموعہ خوف ورجا اور مختصر لفظوں میں تقویٰ اللہ کہتے ہیں۔ قانون خود اپنی اطاعت نہیں کرتا بلکہ تقویٰ کرتا ہے۔ تقویٰ کا سارا تعلق قلب و روح سے ہے اور قانون کی گرفت روح و قلب پر نہیں ہوتی۔ صوم اسی کیفیت تقویٰ کو پیدا کرنے کی ایک مشق ہے۔ اور یہ طرفہ تماشا صرف اس خدائی قانون میں ہے کہ یہ نرا قانون ہی نہیں بلکہ روح قانون بھی ساتھ ساتھ لیے ہوئے ہے۔ اس میں فقط قانونی صوم کی اطاعت ہی مطلوب نہیں بلکہ مطلق قانون کی روح یعنی تقویٰ اللہ کی تدبیر و مشق اور تحریر تعلیم بھی ہے۔ اور اسی مقصد کو دو لفظوں میں کَعَلَّکُمْ تَتَّقُونَ فرما کر بیان کیا گیا ہے۔ یہی وہ روح ہے جو بسیط ہو کر انسان کو ہر قدم پر تمام شعبہ زندگی میں قانون الہی کا پابند بننے پر مجبور کرتی ہے۔ یہ تقویٰ اور یہ روح قانون اگر نہ ہو تو سارے قوانین الہی بھی قابل شکست اور ممکن المعصیت قوانین بن کر رہ جاتے ہیں، اُن میں اور انسانی قوانین میں زیادہ فرق نہیں رہ جاتا اور صوم ہوتا بھی ہے تو برکت سے کوئی ممتاز عبادت نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں سارا زور اسی تقویٰ اللہ پر صرف کیا گیا ہے۔ ہر قانون

کے ساتھ ساتھ تقویٰ پر زور ہے، تمام قصص میں جگہ جگہ تقویٰ کی طرف عطف توجہ ہے، سارے اوامر و نواہی تقویٰ کے ذکر سے پُر ہیں۔ کیونکہ اس کے بغیر کوئی الہی قانون بھی اپنی اصلی ہیئت کے ساتھ باقی نہیں رہ سکتا اور کسی اخلاقی نظام کی تعمیر اس بنیاد کے بغیر ناممکن ہے۔ امریکہ کے قانون نشہ بندی کا حشر آپ نے کچھ چکے ہیں۔

اب اسی نقطہ نظر سے صوم کو دیکھو۔ صائم شب کو اٹھتا ہے اور صبح کی کھانی شروع کرتا ہے، ابھی آدھی صبح کی کھانی تھی کہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ وقت ختم ہو گیا اور وہ وہیں اپنے لیدز کھانے کو چھوڑ دیتا ہے۔ صبح سے شام تک اس کے سامنے شدید بھوک کی حالت میں، اچھے سے اچھا کھانا میسر آتا ہے اور وہ نہیں کھاتا، اشتت کی پیاس ہوتی ہے اور ٹھنڈے پانی کا گھڑایا شربت کا پیالہ سامنے ہوتا ہے اور وہ منہ نہیں لگاتا، بہینوں کے سفر کے بعد گھر واپس آتا ہے اور رفیقہ بیات پہنوں ہوتی ہے پھر بھی وہ توجہ نہیں ہوتا۔ یہ سارے مواقع اسے ایسی حالت میں ملتے ہیں کہ اسے کوئی دیکھنے والا، کوئی بدنامی کا خوف، کسی نفعت کا لالچ اور کوئی اخلاقی دباؤ نہیں ہوتا، لیکن وہ ساری نعمتیں جو اس کے لیے شب کو حلال ہیں، دن کو اپنے اوپر خود اپنی خوشی سے حرام کر لیتا ہے۔ وہ کل تک روزے کو فرض سمجھتا تھا اور آج عید کے دن اسے حرام تعین کر لیتا ہے۔ قانون شکنی سے روکنے والی کوئی چیز نہیں ہوتی، ہاں صرف ایک جذبہ، ایک روح اور ایک کیفیت خاص ہوتی ہے جو اسے قانون الہی کی بغاوت سے روکتی ہے اور اسی کا نام تقویٰ اللہ ہے۔ وہ قانون صوم کے مقنن سے خوفِ عذاب اور جہنم و آس لیے لھکتا ہے کہ وہ اسے حاضر و ناظر جانتا ہے، حی و قیوم سمجھتا ہے، اور اس کی سبوحیت و قدوسیت پر ایمان رکھتا ہے۔ اگر اس کا یہ تقویٰ بالکل غیر شعوری نہ ہو تو ہر جگہ اطاعتِ قانون الہی میں روح کی طرح کام کرتا ہے۔ اور اگر واقعاً وہ صائم ساٹھ ہے تو اس کے کردار کی بلندی دماغ انسانی کی پرواز سے بھی پرے ہوتی ہے

جب اس نوعیت کا تقویٰ پیدا ہوتا ہے تب اسی بنیاد پر وہ نظام زندگی تعمیر ہوتا ہے جسے انجیلی زبان میں ”خدا کی بادشاہت“ اور قرآنی اصطلاح میں ”دین اللہ“ کہتے ہیں۔ خدا اپنے بندوں سے محض ایک نظام سیاست کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ اپنے دین کی اقامت چاہتا ہے۔ دین اُس ہمگیر نظام کو کہتے ہیں جس کا ضابطہ زندگی کے ہر شعبہ پر یکساں حاوی ہو۔ افراد سے لے کر اجتماع تک ہر نظام اسی کے سانچے میں ڈھلا ہو، اسی کا نظام اخلاق، اسی کا نظام سیاست، اسی کا نظام تمدن،

اسی کا نظام معیشت اور اسی کے سارے نظامات ہوں جنہی کہ طرز فکر اور نظریہ ترک اختیار اور معیار پسند و ناپسند کے سب سے ہمہ گیر قانون کے سانچے میں ٹھہل جائیں۔ دین وہی فرد قائم کر سکتے ہیں جن کے اندر نظام اطاعت کی وہ روح موجود ہو جو صوم سے مطلوب ہے۔ اس کے دوجز ہیں جو باہم مل کر ایک نتیجہ پیدا کرتے ہیں۔ ایک ہے ہر غیر اللہ کی غلامی سے نکل جانا۔ دوسرا ہے ہر غلامی سے نکل کر اللہ کی غلامی میں آجانا۔ اب بیکھو ورنہ کس طرح ان دونوں مقصدوں پر حاوی ہے۔

انسان یا تو دوسروں کے حکم کا بندہ ہوتا ہے یا اپنی خواہش کا غیر اللہ دونوں ہیں۔ اگر دوسرے حکم چلانے والے وہ ہیں جو صرف اللہ کا حکم چلاتے ہیں جب تک وہ عین اللہ کی اطاعت بندگی ہے لیکن اگر وہ اپنا حکم یا قانون یا فیصلہ منواتے ہیں تو سرک طاعت ہیں مثلاً حکومت کا فرد یا اس کے کم و سوت کے ساتھ برادری۔ ان دونوں کے احکام و قوانین اور فیصلوں سے الگ ہونا نسبتاً سہل ہے۔ ایک حکومت کے حدود میں رہ کر کسی پہاڑ پر زندگی بسر کیجئے یا جنگل میں قیام اختیار کر لیجئے۔ بہت حد تک اور ممکن ہے ساری عمر دونوں کی زد سے آپ بچ جائیں گے۔ آپ کو ان کے قوانین پر عمل کرنے کی نوبت ہی نہ آئے گی یا آئے گی تو بہت کم آئے گی۔ اور اگر آپ حدود ملکیت یا حدود برادری سے ہی باہر ہو جائیں تو اور بھی آزاد ہو سکتے ہیں۔ لیکن جس کی غلامی سے آزادی حاصل ہونا سخت دشوار ہے وہ پہلے اپنا نفس۔ جہاں اور جس حال میں بھی کوئی ہوگا اس کا نفس اور نفس کی خواہشیں ساتھ ہوں گی اور اپنے حکم کی تعمیل کراتی رہیں گی۔ اس لیے خدا سب سے پہلے جس شے کی بندگی و غلامی بندگی و اطاعت سے انسان کو نکالنا چاہتا ہے وہ خود انسان کی اپنی خواہش نفس ہے۔ اسلامی اسٹیٹ (دین اللہ) انسان پر خود اس انسان کی حکومت و ملکیت بھی نہیں تسلیم کرتا چہ جائے کہ دوسرے انسانوں کی۔

خود انسان کی قائم کردہ حکومت کو دیکھو۔ تم اپنی مرضی سے اگر دشمن ملک میں چند بھجوتو حکومت اس کی رولڈار نہیں ہو سکتی لیکن حکومت خود جب چاہے تمہارا مال اپنی ضرورت کے لیے بلا تکلف لے سکتی ہے۔ تم اپنی مرضی سے اگر مرنا چاہو ڈوب کر یا جل کر زہر کھا کر یا کسی طرح خود کشی کر کے، تو حکومت فوراً روکنے لے گی لیکن جب اسے خود ضرورت ہو تو جبری بھرتی کا حکم دے سکتی ہے۔ گویا تمہارا مال تمہارا نہیں، تمہاری جان تمہاری نہیں بلکہ یہ سب حکومت کی ملک (STATE PROPERTY) ہے۔ — بایں ہمہ انسانی حکومتوں کا دائرہ اس قدر وسیع ہونے پر بھی دیکھو کہ کتنا تنگ ہے۔ کوئی خیر

کھائے، پئے، نہا کرے، جھوٹ بولے، کلب میں برنج کھیلے، ناچ ننگ میں زندگی گزارے، دل میں بغاوت کی تدبیریں سوچتا رہے، اپنے ذہن میں پورے نظام حکومت کو سو گالیاں دیتا رہے، خدائی کا دعویٰ کرے، نبوت کا ادعا کرے اور زبان پر ذومعینین الفاظ بغاوت لایا کرے، غرض اپنا پراپیٹ نظام زندگی اور بہت حد تک اپنی سبک زندگی جیسی چاہے بنا تا پھرے، حکومت کوئی قانون خیل نہیں ہو سکتا لیکن برعکس اس کے اسلامی اسٹیٹ نہ صرف جان مال کو بلکہ ان تمام اعضاء و جوارح کو بھی جن سے کوئی فعل صادر ہو سکے، ان تمام قوائے ظاہرہ و باطنہ کو جن سے کوئی کام لیا جاسکے، اس زبان کو جس سے کوئی گفتار نکل سکے، اس دل کو جس کے اندر کوئی نیت پیدا ہو سکے اور اس نفس کو جو کوئی خواہش و ارادہ کر سکے، غرض ایک ایک شے کو اللہ کی اور صرف اللہ کی ملکیت تصور کرتا ہے جو انسان کو محض بطور امانت سپرد کی گئی ہے یہ سب فطرۃً (DIVINE STATE PROPERTY) یعنی خدائی حکومت کی بلا شرکت ملکیتیں ہیں۔ ان میں سے کسی شے پر خود اس انسان کی حکومت و ملکیت تسلیم نہیں کی گئی ہے۔ ان کے استعمال اور طریق استعمال کا اختیار بھی انسان کو نہیں جتنی کہ جن قوتوں کے استعمال پر وہ فطرۃً مجبور و مجبول ہے ان پر بھی اسے اختیار استعمال حاصل نہیں کہ جس قوت سے چاہے، جہاں چاہے، جب اور جس طرح چاہے کام لے۔ اگر انسان اسلامی اسٹیٹ اور مالک الملک کی وفادار رعایا بننا چاہتا ہے تو اسے اپنی ساری زندگی میں ایک ایک قدم پر ہر امانت کے استعمال کے لیے اسی بلک انسان کے قانون کا پابند رہنا پڑے گا۔ وہ اپنی آنکھوں سے، زبان سے، ہاتھ پاؤں سے، کانوں سے، حتیٰ کہ دل و دماغ سے وہی اور اسی طرح کام لے سکتا ہے جو کچھ اور جس طرح ان نعمتوں اور امانتوں کا سپرد کرنے والا حکم یا اجازت دے۔ وہ اپنی خواہش سے کھانے پینے بھی نہیں سکتا، اپنی رفیقہ زندگی سے بھی اپنی مرضی کے مطابق تمتع حاصل کرنے کا مجاز نہیں۔ اپنی وہ قوتیں بھی اپنی رضا و خوشنودی کے ساتھ اسی مالک کے سپرد کرنی ہوں گی جن کے استعمال پر ہر آن اس کی فطرت اندر سے ابھارتی رہتی ہے۔ یعنی جب تک کہ فلاں شے کھاؤ یا پیا اور فلاں چیز سے تمتع حاصل کرو تو وہ ان ہی چیزوں و تقاضات کرے اور جب وہ حکم کرے کہ یہ ساری چیزیں فلاں وقت سے فلاں وقت تک چھوڑ دو تو وہ وہیں اور اسی طرح تعمیل حکم کرے۔ وہ جس شے کو حلال کر دے تو حلال سمجھے اور جب حرام کر دے تو حرام ہی جانے۔ اور اپنے کردار سے واضح کر دے کہ اب ہم خود بھی اپنے مالک

نہیں چاہئے کہ دوسرے کے ملک ہوں اور ہم پر اب خود ہماری خواہشوں کی بھی حکومت نہیں چاہئے کہ دوسرے کی ہو۔
صوم اسی تسلیم و رضا کی مشق کا دوسرا نام ہے۔

یہ پہلا جزو ہے، یعنی صلا اللہ ہے جس میں بر غیر اللہ کی حاکمیت و تبعویت کی نفی ہے۔ اس کا دوسرا جزو صلا اللہ ہے۔ اور درحقیقت صلا اللہ کے لیے صحیح جگہ ہی اس وقت نکلتی ہے جب صلا اللہ کی تکمیل ہو جائے۔ ورنہ صلا اللہ کا دائرہ جتنا وسیع ہوگا صلا اللہ کے لیے اسی قدر جگہ تنگ ہوگی صلا اللہ سے نفی غیر ہو جاتی ہے لیکن مقصود صرف نفی غیر اللہ نہیں بلکہ ہر نفی کی جگہ مثبت کو دے آنا مقصود ہے اور وہ مثبت صلا اللہ ہے یعنی حیل انسان اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کر دیتا ہے کہ ہم نہ دوسرے کے ملک ہیں نہ خود اپنی ملک ہیں، نہ ہم دوسروں کے حکم و اختیار کے تابع ہیں نہ اپنے، تو آخر وہ کس کا عہد، کس کا غلام و محکوم اور کس کے حکم و قانون کا تابع فرمان ہے؟ صوم اسی حقیقت کا اعلان ہے کہ ہم نے فقط اتنا ہی نہیں کیا ہو کہ ہر خوش و بیگانہ کے حکم سے کل آئے ہیں بلکہ ہر طرح کے حکم و حکومت سے نکل کر اللہ کی حکومت و حکم میں آگئے ہیں اپنی اور ہر غیر اللہ کی غلامی سے نکل کر اللہ کی عبدیت میں داخل ہو گئے ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ ایک شخص ٹھیک طلوع فجر سے غروب آفتاب تک صرف اپنے نفس کی مخالفت کی نیت سے مفطراتِ ثلاث سے کامل پرہیز رکھے، یا کسی معالج کے کہنے سے ایسا کرے یا جیل خانے میں اس کا مقاطعہ جوعی (HUNGER STRIKE) بالکل صومی انداز مفدا کا ہو یا یہ سب کچھ وہ کسی مجبوری سے محض اپنے ارادے سے کرے لیکن پھر بھی یہ صوم نہ ہوگا۔ فاقہ ہوگا، جوگ ہوگا، برت ہوگا، ہنگر اسٹر انک ہوگی، شرارت نفس ہوگی، سب کا مگر صوم نہ ہوگا۔ یہ ساری باتیں ایک مسلم اور خدا کا وفادار بھی کر سکتا ہے اور ایک خدا کا باغی کافر بھی کر سکتا ہے۔ ظاہری شکل دونوں کے فاقے کی یکساں ہوگی، لیکن دونوں میں خط امتیاز کیسے پھنچنے والی شے صرف ایک ہے اور وہ ہے اللہ کی محکومی و غلامی اور اس کی عبدیت و اطاعت کی نیت و ارتقا۔ مرضات اللہ کا جذبہ یہی ہے وہ روح قانون اور تقوی اللہ جو صرف نفی غیر اللہ پر قناعت نہیں کرتا، یہ وہاں جا کر دم لیتا ہے جہاں اسے صلا اللہ کی بھی پوری تجلی نظر آجائے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر انسان خالص عبد بنتا ہے۔ وہ اپنی مرضی سے نہ کچھ کرتا ہے، نہ بولتا ہے، نہ سوچتا ہے۔

اگر صرف صائم نہیں بلکہ واقعہً سائج بھی ہوتا ہے تو وطنی زبان سے قول زُرد و فُرش اور غمیت نہیں نکالتا غصہ نہیں کرتا، حتیٰ کہ بے ضرورت گفتگو بھی نہیں کرتا وہی بولتا ہے جس میں لاشکی رضا ہو۔ اس طرح وہ صرف معدے کا رزقہ نہیں رکھتا بلکہ اس کے سائرے اعضا و جوارح صائم سائج بن جاتے ہیں اور اس کا قلب و دماغ بھی رزقہ رکھتا ہے۔ چشم بند و گوش بند و بٹنہ کے معنی سلطان لُذکار کے سمجھے جاتے ہیں لیکن یہ بھی ہو لیکن یہ عبدیت کی اصل نہیں۔ چشم بند کے معنی ان تمام چیزوں سے نظر مٹا لینے کے ہیں جو اللہ کی رضا کے مطابق نہ ہوں اور یہی مطلب گوش بند، اور لب بند کا ہے۔ قابلِ خود ہے حدیث قدسی کا یہ مضمون کہ جب بندہ میری جانب ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں ایک گز اس کی طرف بڑھتا ہوں، وہ خراں خراں میری طرف آتا ہے تو میں اس کی طرف لپکتا اور دوڑتا ہوا آتا ہوں، یہاں تک کہ میں خود اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ حرکت کرتا ہے اور اس کے وہ کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی وہ آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے..... فداہی و امی۔ صدق صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس حدیث قدسی میں یہ نہیں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ بندے میں حلول کر جاتا ہے یا ہمہ دوست بن جاتا ہے اور بندہ جو جی چاہے کرے اس کا مواخذہ نہ ہو گا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ کہ بندہ جب اپنے اندر انابت الی اللہ کا صحیح جذبہ پیدا کر کے اسی کے مطابق سعی و کوشش شروع کرتا ہے تو رحمت الہی اتنی تیزی سے اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے کہ بندہ گمان بھی نہیں کر سکتا۔ اور اس عبد کو اتنا قرب و استر ضائے الہی میں آ کر کارایسی فضا ئیت مل جاتی ہے کہ اس کے اعضاء و جوارح کا کوئی حرکت سکون مرضی مولا کے خلاف نہیں ہوتا۔ جو کچھ کرتا، بولتا یا سوچتا ہے قانون الہی کے مطابق اور اسی کی ہدایت و حکم کے موافق۔

ایسے عبد کا نمونہ اگر دیکھنا چاہو تو کسی صائم سائج کو دیکھ لو جو اپنے طرزِ عمل سے واضح کر دیتا ہے کہ ہم صرف اللہ کے عبد ہیں اور فقط اسی کے حکم و قانون کو مانتے ہیں۔ وہ ایک حلال شے کو ہم پر حرام کرتا ہے تو عملاً ہم حرام سمجھ لیتے ہیں اور جب حلال کرتا ہے تو عملاً طور پر حلال مان لیتے ہیں۔ یہی تو وہ عبد ہے جو کسی غیر اللہ کے قانونِ تحلیل و تحریم کو سر سے نہیں تسلیم کرتا جبکہ بنیادِ صوم ہی اس عقیدے پر رکھتا ہے کہ اور تو اور ہم خود بھی اپنے اوپر حاکم نہیں تو اس کے لیے کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ کسی طاغوت اور خدا کے باغی کے کسی قانون کو تسلیم کرے اس کی حاکمیت و ربوبیت کو مانے،

خصوصاً قانونِ حلیت و حرمت کو؛

ہر سال میں کابل ایکٹ اس عقیدے کی عملی شق کرانی جاتی ہے کہ کسی شے کے لیے حلیت و حرمت کا حکم و قانون دینے کا اختیار صرف خدا کا حق ہے اور اس میں کوئی کسی حیثیت شریک نہیں، اور ہم شاید یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہر قسم کی قانون سازی کا اختیار بندوں کو بھی حاصل ہے اور یہ حق بندوں کے لیے تسلیم کر لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں یہی نہیں بلکہ اُس کے حق میں بھی یہ اختیار تسلیم کرنے میں مضائقہ نہیں جانتے جو علانیہ قوانین الہی توڑ دے اور اپنی وہ مجلسِ آئین بنائے جس کی بنیاد خدا کے بجائے بندوں کی اطاعت و حلیت و فاداری ہو ایسے طواغیت کا تو وہ قانون بھی قابلِ تسلیم نہیں جو عین مطابق قانونِ الہی ہو جو خود مطیع الہی نہیں اسکا کوئی حکم، کوئی قانون اور کوئی فیصلہ خدا کے فاداروں کے لیے قابلِ تسلیم ہی نہیں خواہ وہ بظاہر قانونِ الہی کے مطابق ہی کیوں نہ ہو۔

اسے آپ یوں سمجھ سکتے ہیں کہ اگر آپ کسی حکومت میں رہ کر کنسی نوٹ چھاپیں اور چلائیں تو حکومت پکڑے گی۔ آپ ہزار کہیں کہ صاحب یہ نوٹ بالکل آپ کے نوٹ کے مطابق ہے، وہی کاغذ، وہی تصویر، وہی عبارت، وہی دستخط اور وہی پیل بوٹے ہیں، لیکن آپ سزا سے بچ نہیں سکتے کیونکہ آپ کا نوٹ اگرچہ عین حکومتی نوٹ کے مطابق ہے لیکن صرف اس لیے آپ پکڑے جائیں گے کہ آپ کو یہ حق و اختیار حکومت نہیں دیا ہے اور اس کا چلانا متوازی حکومت (PARALLEL GOVERNMENT) قائم کرنے کا باغیانہ اعلان ہے۔ ٹھیک اسی طرح اس بادشاہ کائنات کی خدائی، اس کی سلطنت اور اس کی زمین و آسمان میں رہ کر کسی کو بطور خود قانون بنانے اور اسے چلانے کا مطلقاً کوئی حق نہیں ہے۔ ایسا کرنا باغیانہ متوازی حکومت قائم کرنے کا مرادف ہے۔ وہ جلی کنسی نوٹ کی طرح ٹھیک الہی قانون کے مطابق بھی قانون بنانے یا چلانے کا حق نہیں رکھتا۔ ہاں قانون سازی — وہ بھی جزر — کا حق صرف ایک شکل میں تسلیم ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے وہ اللہ کو اپنا واحد بادشاہ تسلیم کرے اور اس کی کسی قائم کردہ حد کو نہ توڑے۔ اس صورت میں اس کی حیثیت خلیفۃ اللہ یا نائب حکومت (VICE GERENT OF ALLAH) کی ہوگی یا ان تابعین و اشرار کی جو حکومت کی اجازت حکم سے کنسی نوٹ طبع کرتے ہیں پس کسی عالم یا درویش کو کسی مجلسِ آئین ساز کو کسی برادری کو کسی ڈکٹیٹر

اور کسی صدر جمہوریہ کو یہ حق نہیں کہ وہ قانونِ الہی کو توڑے اور اپنا قانون بنائے اور چلائے۔ اَتَّخَذُوا اَحْبَارَهُمْ وَاَہْبَاءَهُمْ اَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ کے نزول کے بعد حضرت عدی بن حاتم دریافت کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ ہم نے تو کبھی اپنے علماء و مشائخ کو رب نہیں بنایا حضور فرماتے ہیں کہ کیا تم ان کے حلال کردہ کو حلال اور ان کے حرام کردہ کو حرام نہیں سمجھہ لیتے تھے؟ عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ حضور فرماتے ہیں کہ بس یہی ہے رب بنانا۔

اب فرمایہ سوچو کہ وہ صائم کتنے مغالطہ میں ہے جو ایک طرف تو روزہ رکھ کر یہ اعلان کرتا ہے کہ تقنینِ حلال و حرام میں ہم نے اپنا رب اللہ کو تسلیم کیا ہے لیکن اُسی آن وہ یہ خالص ربانی حق تقنینِ خدا کے باغیوں کے سپرد بھی کرتا ہے۔ جو حق اللہ نے کسی ولی کسی امام کسی صحابی اور کسی پیغمبر تک کو نہیں دیا وہ حق — صرف تحلیل و تحریم ہی میں نہیں بلکہ زندگی کے سارے مسائل و مراحل میں — کسی ڈکٹیٹر کسی صدر جمہوریہ اور کسی مجلس قانون ساز کے لیے تسلیم کرنے اور اُن کے جائز یا ناپسنے کے بعد تو قرعہ بدلتا الہی کی کیا وقعت رہ جاتی ہے اور ایسے عبد کا صرف صائم ہو جانا فاقہ کشی سے زیادہ کیا حیثیت رکھتا ہے اگر اور کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم یہ ایمان تو ہم رکھ سکتے ہیں کہ یہ طواغیت اور یہ باغیانِ خدا نہ ہمارے حکم ہیں نہ مقنن و حکم نہ قابلِ طاعت ہیں نہ قابلِ معاونت۔ اگر یہ ایمان بھی نہیں رکھ سکتے تو لیس دولہ و ذلک حجتہ خردل من لا یعملن اس کے نیچے ایمان کا کوئی درجہ نہیں۔

ہم نے صوم کے صوفِ بنیادی حقائق و مقتضیات پر تبصرہ کیا ہے۔ اس لیے کہ ہاتھی کے پاؤں میں سب کے پاؤں، اصل کے ہاتھ آجانے پر فروع خود حاصل ہو جاتے ہیں لیکن بے محل نہ ہو گا اگر باقی اُمور پر بھی محض سرسری نظر ڈال لی جائے تاکہ صائم ہمیشہ اپنے صوم کا جائزہ لے کر دیکھ سکے کہ وہ تقاضائے صوم کو کہاں تک پورا کر رہا ہے۔

(۱) صوم کا سب سے بڑا فائدہ (جیسا کہ اوپر بیان ہوا) تو یہ ہے کہ انسان اس اکیلے بادشاہ کے اقتدارِ اعلیٰ کی اطاعت

و وفاداری میں آ جاتا ہے اور اپنے نفس کا خود محاسب بن جاتا ہے۔ وہ چاہے تو تنہائی میں بغاوت کر لے مگر ایک حاضر و ناظر شہنشاہ کی حکومت اس خلوت میں بھی اس پر تسلط رہتی ہے جہاں اسے کوئی نہیں دیکھتا اور جہاں وہ کسی محکوم نہیں رہتا۔

(۲) محاسبہ نفس کے علاوہ اس میں ضبطِ نفس بھی پیدا ہو جاتا ہے اور تحمل و صبر بھی جو شخص غور و نوش اور تسکینِ حیوانیت

جیسے کٹھن جذبات کا مردانہ وار مقابلہ کرے وہ دنیا کے تمام شدائد و مصائب کا آسانی مقابلہ کر سکتا ہے۔

(۳) نعمتوں کی صحیح قدر دانی بھی ایک صائم ہی میں ہو سکتی ہے۔ ترک لذت کے بعد اس کے حصول میں جو لطف و ہر اسے وہ کیا جائے جس ترک لذت کی لذت ہی نہ چھٹی ہو اس قدر نعمت کا لازمی نتیجہ جذبہ شکر کا ازو یا رہے۔

(۴) صحیح انسانی ہمدردی کا جذبہ ایک صائم ہی کے اندر ہو سکتا ہے۔ جس کے تکلیفیں چھیلی ہوں ہی دوسروں کی تکلیفوں کا بھی احساس کر سکتا ہے۔

(۵) پوری جماعت میں ہم رنگی و مساوات کا عجیب سبق صوم سے حاصل ہوتا ہے۔ بڑے چھوٹے سب ایک اکیلے فرمانروا کی اطاعت میں یک رنگ ہو جاتے ہیں۔ امیر اپنے کو غریبوں جیسا بھوکا اور غریب امیر کو اپنے جیسا مجبور پاتا ہے اور اس طرح سرمایہ دار و مزدور کی ٹکڑا جذبہ بڑی حد تک فنا ہو جاتا ہے۔

(۶) صیام رمضان کے بعد لاکھوں روپے شکل فطرہ غریبوں کی جیب میں جاتے ہیں جس سے غربا کی بھی عید ہو جاتی ہے۔ اس معاشی نظام تقسیم کا سبب اہل ماہ صیام ہی ہے۔

(۷) تقویٰ بڑے بلند بچے پوچھنے جاتا ہو۔ ظاہر ہے کہ جو حلال کو ضائع الہی کے لیے ترک کرے وہ حرام کو اختیار کر کے اس کی ناراضی کیوں مول لینے لگا؟ گویا صائم کا معیار ترک اختیار بدل جاتا ہو اور اس طرح فکر الہی سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔

یہ اور ان کے علاوہ دیگر حقائق صوم، صائم پر خود بخود منکشف ہو جاتے ہیں اگر وہ رفتہ رفتہ کے ساتھ غور و فکر بھی کرے۔ یہ تو وہ فوائد ہیں جو اسی زندگی میں حاصل ہوتے ہیں۔ اخروی منافع کا تو اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔ حدیث قدسی کے

یہ الفاظ عجیبے حیرت بخش روح ہیں کہ کل حسنة بعشر امثالها الى سبع مائة ضعف لا الصوم فانه مل وانا اجزی بده۔ ہر نیکی کا اجر دس سے لے کر سات سو گئے تک ہے بجز صوم کے کہ وہ تو خاص میرے لیے ہے یا اس کا اجر

میرے ذمہ ہے اور اس کا اجر تو بس میں ہی دوں گا۔ اللہ اللہ اس "لی" کی لطافت اور اس انا اجزی بده کی وسعت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ نماز نہ پڑھو تو پلٹے جاؤ زکوٰۃ نہ ادا کرو تو دار و گیر شروع ہو جائے، حج نہ کرو تو باز پرس کی بوچھاڑ ہو

ان میں سے کوئی سا کہن دین ایسا نہیں جو چھپا کر کیا جاتا ہو۔ سب میں ظہار لازماً ہوتا ہے اور کسی سے بغیر مواخذے کے

گریز ہی دشوار ہے۔ لیکن صرف ایک ہی رکن صوم ایسا ہے جس سے گریز بروقت ممکن ہے لیکن خدا کا بندہ یہ خیانت نہیں کرتا۔ وہ جب چاہے تنہائی میں اپنا روزہ توڑ دے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلے لیکن وہ ایسا نہیں کرتا۔ کیوں؟ کچھ نہ کچھ تو لاپست ہوئی ہوگی۔ اگر یہ عبادت صحیح طور پر ادا ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ خالص اللہ ہی کے لیے ہوتی ہے۔ اور یہ "لی" اس خالصیت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ پھر اس کے اجر کا اندازہ ہی کیا ہو سکتا ہے۔ بندوں کی پیمائش سے اس کے اجر کا طول و عرض نہیں معلوم کیا جاسکتا، اس لیے خدا نے خود اس کا ذمہ لے لیا ہے کہ انا اجزی بہ۔ اس کی جزا تو بس میں ہی دوں گا۔ اس مولا کی کربی دیکھو چند فاقوں کا کتنا بے حساب اجر دینے پر آمادہ ہے۔ ایک شہنشاہ صلہ دینے کا وعدہ فرما رہا ہے اور صلہ اتنا زیادہ ہے کہ وہ خود ہی اس کی کوئی تحدید نہیں فرماتا۔ اللہ کے روزہ دار بندو! اپنی قسمت پر ناز کرو، وہ داتا کیا کچھ دینے پر تیار ہوا ہے۔ انا اجزی بہ کو انا اجزی بہ بھی پڑھا گیا ہے۔ یعنی میں خود اس کی جزا بن جاتا ہوں۔ اور اس کا اجر یہ ہے کہ میں خود اسے اجر میں بل جاتا ہوں۔

اس کے خود بل جانے پر کوئی تعجب نہیں اس لیے کہ تخلیق باخلاق اللہ کا صحیح نقش شاید صوم سے بڑھ کر کسی عبادت میں نہیں۔ تخلیق باخلاق اللہ کے معنی ہیں مولا کے رنگ میں رنگ جانا اور اس کی صفات اپنے اندر پیدا کرنا۔ اس کی توحید خالص سورہ اخلاص میں یوں بیان ہوئی ہے اللہ بے نیاز ہے، وہ جو رو بچے کا محتاج ہے نہ کھانے پینے کا۔ پس جو اللہ سے تقرب چاہتا ہے وہ اپنے کو کچھ دیر کے لیے یہی اسی رنگ صمدیت میں رنگ لے اور جس طرح اس کا مولیٰ ان تمام مادی حوائج سے بے پروا ہے اسی طرح وہ بھی ہو جائے۔ پھر قرب الہی کا اندازہ کہے اور دیکھے کہ کس طرح اس کا آقا ہی اس کا اجر بن کر بل جاتا ہے۔ جزا میں اس کے ملنے کا مطلب اس کو اپنے قبضے میں لے آنا نہیں بلکہ اس کی رضا کا حاصل ہو جانا ہی عین اسی کا بل جانا ہے۔

لب فرو بند از طعام و از شراب سوئے خوان آسمانی کن شتاب

مسلمان اور سماج کشمکش

حصہ اول

اسلامی ہند کی گذشتہ تاریخ موجودہ حالت اور مستقبل کے امکانات پر ایک سبق آموز تبصرہ جس سے مسلمان ہند کے قومی مسئلہ کا ایک نیا تصور پیدا ہوتا ہے۔ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی ضرورت ہے۔ اس لئے قیمت بہت کم رکھی گئی ہے۔

حصہ دوم

اس حصہ میں ہندوؤں کے موجودہ سیاسی حالات پر مفصل تبصرہ کر کے بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کی غفلت سے اس وقت تک ملک کے سیاسی تغیرات کس طرح اصول اسلام اور مسلمانوں کے قومی مفاد کے خلاف ہوتے رہے ہیں اور یہ کہ اگر اب مسلمان اپنی قومی زندگی کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو انہیں کونسی پالیسی اختیار کرنی چاہیے۔ اس کی قیمت بھی اشاعت عام کے لئے بہت کم رکھی گئی ہے۔

حصہ سوم

مسلمانوں کی موجودہ سیاسی کشمکش کا عملی حل کیا ہے۔ اسلامی حکومت کن اصولوں پر قائم کی جا سکتی ہے۔ ایسا اقدام کرنے والے گروہ کو کن اصولوں پر منظم کیا جا سکتا ہے، اور ان اصولوں پر جس قدر اعتراضات و شبہات کئے جا سکتے ہیں، ان کا جواب کیا ہے۔ یہ تمام باتیں اس حصہ میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کر دی گئی ہیں۔

مستحصل ڈاک

حصہ سوم

حصہ دوم

قیمت حصہ اول

تین آنے

ایک روپیہ چار آنے

ایک روپیہ آٹھ آنے

آٹھ آنے فی جلد